کرنسی بنانے کا اختیار اور موجودہ کرنسی کی شرعی و فقہی حیثیت اور فقہا کی آرا

امتیاز احمد کھوسو•

Abstract

Who has the authority of making money in Islamic Law? What is the value of current currency? What is the historical back ground of present paper currency? In this article all these issues are taken up and analyzed in the light of opinions of various schools of thought.

Keywords: Paper Currency, Gold Bullion Standard, Intrinsic Value, Fiduciary Money.

عام لوگوں کو کرنسی بنانے کا اختیار دینے کے بارے میں فقہا کا اختلاف

احناف کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس بارے میں رائے مختلف تھی انہوں نے فرمایا کہ عوام الناس کو بھی ان سکوں کے ڈھالنے کی اجازت ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے بنائے ہوئے سکوں کے ساتھ عوام الناس کی طرف سے بنائے ہوئے تمام سکوں کا اوصاف اور اُوزان میں مماثلت ہونا ضروری ہے۔ اور اس طرح کرنے میں اسلام اور اہل اسلام کا ذرّہ برابر بھی ضرر نہ ہو تو عام لوگوں کے لئے بھی حکومتِ وقت کے بنائے ہوئے سکوں کے اوصاف و اوزان کا خیال رکھتے ہوئے سونے اور چاندی سے دراہم و دنانیر بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کھرے دراہم کو چھپکے سے بنانے پر ناجائز ہونے کا فتوی دیا تھا، کیونکہ یہ سلاطین کا وصف ہے۔[1]

مالکیہ کا مسلک

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے بنانے کو مکروہ کہا ہے:

وکره ذلک الإمام مالک وقال:إنه من الفساد ولو کان الضرب علی الوفا کما روی عن سعید بن المسیب أن من یضرب النقود من غیرِ رجال الدولة أو السلطة الحاکم یعتبر من الفساد فی الأرض.[2]

"امام مالکؒ نے کرنسی بنانے کی اجازت صرف حکومتِ وقت کو دیا ہے اور ہر ایک کو بنانے کی اجازت کو ناپسند فرمایا ہے فساد کے دروازے کے کھلنے کے خدشے سے، کیوں کہ انکے بنائے ہوئے سکے حکومتِ وقت کے بنائے ہوئے سکے کے مشابہ نہ ہو، اسی طرح حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حاکمِ وقت کے علاوہ دوسرے کو سکے بنانے کی اجازت دینے میں زمین میں کافی انتشار پھیل جانے کا خدشہ ہے۔"

سابقہ حکومت کا طریقہ کار

حجاج بن یوسف یہ اعلان کیا کہ اسکی اجازت صرف حکومتِ وقت کو ہوگا۔ اس اعلان اور رائے کو بہت سے علماء نے تسلیم و قبول کیا اور دراہم

• ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

ڈھالنے جیسے اہم امر کو حکومتِ وقت کے ذمہ پر چھوڑنے کا اقتصار کیا۔ پھر امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ مناسب نہیں کہ سلطانِ وقت کے امر کے بغیر دراہم ڈھالے جائیں۔اس لئے کہ اگر عوام الناس کو اس کی رخصت دی گئی تو وہ بڑے خطرناک کام کرنے شروع کر دیں گے جن کو کنٹرول کرنا مشکل ہو جائیگا،اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے بادشاہِ وقت کے امر کے بغیر دراہم ڈھالنے کی عدمِ جواز کا فتویٰ دیا تھا۔یعنی عوام الناس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے طور پر دنانیر اور دراہم کو بنانے کا آغاز کر دیں، کیونکہ اس طرح سے کھوٹے دینار و دراہم بازار اور مارکیٹوں میں بکثرت آنے لگیں گے اور اس سے طلب و رسد کے استحکام کو اس طرح نقصان پہنچے گا کہ عوام الناس کیلئے مالی معاملات نمٹانا قابو سے باہر ہو جائیں گے۔انہی معاملات و مشکلات پر کنٹرول کرنے کیلئے ان نقود کو قابو میں رکھنا انتہائی اہم اور لازمی درجے میں ہے۔[3]

مندرجہ بالا فقہاء کی آراء سے یہی بات معلوم ہوئی کہ کرنسی کی نگہداشت اور اسکے اتار چڑھاؤ پر کنٹرول رکھنا اور اسکو چھاپنے کی ذمہ داری حکومتِ وقت کی ہے اور ہر عام و خاص کو اسکی اجازت دینا خود ایک بے اصول بات ہے جس سے معاشرے میں بہت ساری خرابیاں پیدا ہونگی ان ساری خرابیوں سے بچنے کیلئے حکومت کی نگرانی و عمل دخل انتہائی لازمی و ضروری ہے اور اس سے عام مراکزِ تجارت میں بھی طلب و رسد کی بے توازنیوں سے چھٹکارا مل جائیگا۔

موجودہ پیسے کی حقیقت اور اس نظام کا ایک جائزہ

یہ دھاتی نقود ایک زمانہ دراز تک لوگوں کے مابین شہرت و قبولیت حاصل کر کے عام تجارتی منڈیوں میں راج کرتی رہی، لیکن زمانے کی اس تیز رفتاری کی جدت کے ساتھ یہ نقود بھی نبھا نہ پائی اور لوگوں کے اعتماد کو خوب ٹھیس پہنچایا اور ناکامی کے دھانے پر دستک دیکر لوگوں کے ذھنی اور فکری سوچ کو ایک اور جدید نظام کے ایجاد کے طرف مجبور کر دیا جو کہ کاغذی کرنسی کی صورت میں وجود پذیر ہوئی اور جسکی ابتدائے ایجاد چین کے طرف منسوب کی جاتی ہے۔

اس بارے میں فقہا اور اہل دانش کا موقف

اسی مضمون کو ڈاکٹر پروفیسر وہبۃ الزحیلیؒ مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھتے ہیں:

ثم استعملوا الفلوس المصنوعة من غير الذهب والفضة ثمناً للأشياء البسيطة وتظل لها صفة الثمنية ما لم يبطل الناس التعامل بها فاذا أبطلت صارت مجرد سلعة وفقدت صفة الثمنية بخلاف نقود الذهب والفضة. وفى عصرنا الحاضر ظهرت النقود الورقية والنقود المصرفية وربما تصير بطاقات الائتمان هى النقود فى المستقبل القريب. وقد ظهرت النقود المتداولة الورقية لأول مرة فى العالم سنة ١٩١٠م فى الصين وفى مطلع القرن السابع عشر الميلادى وجدت الأوراق النقدية (البنكنوت) بصورة رسمية وأول من أصدرها بنك أستاكهوم بالسويد.[٢]

"پھر لوگوں نے چھوٹے اشیاء کی خریداری کیلئے سونے اور چاندی کے علاوہ کے بنے ہوئے سکوں سے خریداری شروع کر دی تھی، لیکن انکی ثمنیت اس وقت تک باقی رہتی تھی جب تک لوگ ان کے ساتھ معاملات کرتے رہتے تھے اور جب انکے ذریعے معاملات کرنا ختم کر دیتے تو

انکی حیثیت صرف ایک سامان سی باقی رہجاتی تھی بخلاف سونااور چاندی نقود کے کہ انکی ثمنیت پھر بھی باقی رہتی ہے۔اور عصرِ حاضر میں کاغذی کرنسی اور بینک کرنسی یعنی کارڈز وغیرہ اور مستقبل قریب کے یہی کرنسی ہیں اور حالیہ رائج کرنسی سب سے پہلے ۱۹۱۰ میلادی میں چین نے ایجاد کی تھی اور سترہویں صدی ہجری کے اوائل میں باقاعدہ مخصوص صورت میں اسٹاک ہوم بینک نے جاری کیا تھا۔"

عبداللہ بن سلیمان مندرجہ بالاعبارت پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

على أي حال فقد وصل النقد إلى مرحلة فيها مزيد من أسباب الثقة والاطمئنان والقدرة على إدارة التعامل به بين الناس بمختلف أشكاله وألوانه....الخ[3].

"دھاتی نقود ایک عرصہ ءدراز تک لوگوں کے مابین لین دین کے امور نمٹانے کیلئے ایک کافی مستحکم اور اطمینان بخش ذریعہ مختلف ڈھانچوں اور کئی صورتوں میں رہا، لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود اس میں اتنی خاصیت اور قوت نہ تھی کہ عوام الناس کے روزمرہ کے مسائل وامور کو بروقت اور جدید بڑھتی ہوئی اقتصادی صورتحال کے عین مطابق ڈھال اور حل کر سکے جسکی ناکامی نقل وحمل کی صورت میں عیان وظاہر تھی کہ جس سے لوگ عاجز نظر آتے تھے اشیاء کے ہیوی ہونے کے سبب انتقالی کے کام نے ایک کافی ہی پیچیدہ صورتحال اختیار کررکھی تھی، ضیاع اور چوری کے خطرات اسکے علاوہ تھے لوگوں کے اقتصادی ذہنی اور فکری سوچ کو ایک اور جدید نظام کے ایجاد کے طرف مجبور کردیا جو کہ اس تیز رفتار اقتصادی بڑھوتری کے سفر کی کشتی میں سوار ہوسکے۔اور یہیں سے کاغذی کرنسی کی طرف انسانی اقتصادی فکر متوجہ ہوئی اور سب سے پہلے چین نے اسکی ابتداء کی تھی اور چین نے ہی پورے عالم شہرت دلائی۔"

ابن بطوطہ کی رائے

بأنهم كانوا لايتبايعون بدينار ولا درهم و جميع ما يتحصل لبلادهم لايسبكونه قطعاً ما يلتفت إليه حتى يصرفه بالبالشت ثم يشتر به ما أراد. ...الخ...[4].

"اہل چین کو جو کچھ اپنے شہروں سے خریدنا ہوتا وہ خریداری دراہم ودنانیر سے ہرگز نہیں کرتے، بلکہ یہ لوگ اس کاغذ کے ٹکڑے کے ذریعے جس کا حجم ایک بالش کے بقدر ہوتا تھا اسکے ذریعے سے اپنے لین دین کے تمام معاملات نمٹایا کرتے تھے یہ سلاطین کے آڈر سے شایع اور ڈھالے جاتے تھے جس کا نام پچیس بالش رکھا گیا تھا، انہیں انکی حیثیت وہی تھی جو کہ ہمارے ہاں دینار کی حیثیت تھی، اگر یہ کاغذ کسی کے بھی ہاتھ سے پھٹ جاتے تو انہیں حکام کے سامنے پیش کرنے سے انکے عوض نئے نوٹ مل جاتے تھے اور ان نوٹوں کی ویلیو کا اسے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سوائے ان نوٹوں کے کوئی بھی شخص دراہم ودنانیر کے سکوں سے کچھ بھی نہیں خرید پاتا اور نہ ہی اس شخص کو مارکیٹ میں ویلیو دی جاتی تھی جب تک کہ ان دراہم ودنانیر کو کاغذی کرنسی سے ایکسچینج نہ کروالیتا اسکے بعد وہ شخص کوئی چیز خریدنے پر قادر ہوتا۔"

"قضایہ فقہیہ معاصرہ" کے مصنف لکھتے ہیں:

ثم إن القطع النقدية سواء كانت من الذهب أو من الفضة وإن كان يخفف حملها بالنسبة إلى السلع النقدية، ولكنها في

جانب آخر يسهل سرقتها فى نفس الوقت فكان من الصعب على الأثرياء أن يخزنوا كميات كبيرة من هذه القطع فى بيوتهم، فجعلوا يودعون هذه الكميات الكبيرة عند بعض الصاغة والصيارفة، وكان هؤلاء الصاغة والصيارفة عندما يقبلون هذه الودائع يسلمون إلى المودعين أوراقاً كوثائق أو إيصالات (receipts) لتلك الودائع. ولما ازداد ثقة الناس بهؤلاء الصاغة ەصارت هذه الإيصالات تستعمل فى دفع الثمن عند البيعات، فكان المشترى بدل أن يدفع القيمة نقداً، يسلم إلى البائع ورقاً من هذه الإيصالات وكان البائع يقبلها ثقة بالصاغة الذين أصدروها. فهذه هى بداية الأوراق النقدية ولكنها فى بداية أمرها لم تكن لها صورة رسمية، ولاسلطة تلزم الناس قبولها، وإنما كان المرجع فى قبولها وردها إلى ثقة البائع أو الدائن بمن أصدرها. ولما كثر تداول الإيصالات فى السوق فى مطلع القرن السابع عشر الميلادى تطورت هذه الأوراق إلى صورة رسمية تسمى "البنكوت" ويقال: إن بنک استاک هوم بالسويد أول من أصدرها كأوراق نقدية [٥].

"پھر نقود کی ڈھلی چاہے سونے کی ہو یا چاندی کی زرِ بضاعتی سے اگرچہ منتقل کرنے کے اعتبار سے آسان اور سہل تھا، لیکن دوسری طرف اسکی چوری کرنی بھی بہت آسان تھی، اسی وجہ سے بڑے بڑے مالداروں کیلئے بہت بڑا مسئلہ ہو گیا تھا کہ وہ کس طرح نقود کے اتنی بڑی رقم کو ڈھلی کی صورت میں اپنے گھروں میں جمع کرکے رکھیں تو پھر انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ اتنی بڑی عدد کو بعض سناروں اور صرافوں کے پاس بطورِ امانت کے رکھوانا شروع کر دیں اور یہ صراف اور سنار امانت اپنے پاس رکھنے کے بدلے امانت رکھوانے والوں کو بطورِ ثبوت کے انکو ایک رسید دیا کرتے تھے اور جب لوگوں کا اعتماد ان سناروں پر بڑھ گیا تو ان کے عطا کردہ رسیدوں کو لوگ بطورِ ثمن کے استعمال کرنے لگے اور ہر خرید اراشیاء کی خریداری کے وقت بجائے نقد قیمت کی ادئیگی سناروں کی طرف سے اداشدہ رقعہ کو ان پر اعتماد کی وجہ سے بائع کو دیتے تو وہ بھی قبول کرتے تھے۔ یہی اسی کرنسی کی ابتدائی صورت تھی، لیکن ابتداء میں اسے کوئی خاص شکل نہ تھی، لیکن سترہویں صدی ہجری میں سب سے پہلے چین کے ایک بینک نے جاری کیا۔"

کرنسی کا دورِ اول اور اسکی ایجاد

چین میں سب سے پہلے بادشاہ "تونغ جو" نے کاغذی نوٹ بنائے تھے، جیسے کہ عبداللہ بن سلیمان بن منیع لکھتے ہیں:

ويعتقد أن أول إصدار ورق نقدى كان فى عهد سن تونغ أحد ملوك الصين فى القرن التاسع الميلادى، وأن عملية الإصدار استمرت من قبل حكام و ملوک الصين والمغول [٦].

" اور یہی سمجھا جاتا ہے کہ پہلی بار کاغذی نوٹ بادشاہ "تونغ" نے نویں صدی ہجری میں شائع کئے تھے، ان نوٹوں کو ڈھالنے کا عمل چینی اور مغل بادشاہوں کے طرف سے بھی جاری رہا ہے۔"

مارکوپولو کے سفر نامے سے اقتباس

قبلائی خان کی سلطنت کا ٹکسال خان بلگ میں ہی واقع ہے۔ انکے اس محنت طلب کام سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ کیمیا سازی کے بڑے ہی ماہر

تھے، جس پر انکی سلطنت کا ٹکسال گواہ ہے۔ یہ کاغذی نوٹ شہتوت کی چھال سے بنایا کرتے تھے۔ ریشم کے کیڑے کی خوراک اسی درخت کے پتے ہیں۔ اس چھال کی اندرونی سیاہ اور ریشہ دار پرت کو علیحدہ کر کے اسے چیتھڑوں کی صورت میں کاٹ لیا جاتا ہے، پھر کوٹ کر اسے چپٹا کر کے گوند میں گیلا کر کے جسے کاغذ جیسی چیز بنائی جاتی ہے جو کہ اپنے عمدہ معیار کی بناء پر مصر کے کاغذات کی مانند ہوا کرتی تھی۔ پھر کاٹنے کا انداز مربع اور مستطیل صورت کے پارچوں میں الگ حجم کے لحاظ سے ہوا کرتا تھا۔ سب سے چھوٹے ٹکڑے کی قیمت وینس کے نقرئی گروٹ کے آدھے کے مساوی ہوا کرتی تھی اور بڑے ٹکڑے کی قیمت دگنی ہوا کرتی تھی۔ پانچ گروٹ اور دس گروٹ کے نوٹ بھی ہیں اور یہ گروٹ ایک، دو یا تین بیزنتوں سے لے کر دس بیزنت کے بقدر انکی مالی حیثیت ہوتی ہے۔

اسکے بعد یہ سیاح نوٹوں پر حکومت وقت کے خاص علامت ونشانی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہر نوٹ پر قبلائی خان کی مہر لگی ہوتی ہے۔ اس نوٹ کو اتنا ہی درجہ حاصل ہے کہ جتنا درجہ طلائی اور نقرئی سکوں کو ہے۔ خصوصاً حکومتی افسران کے نام ان نوٹوں پر لکھے ہوتے ہیں۔ اور اس سلطنت کے طرف سے کچھ مخصوص افسران اسی کام پر متعین ہیں جو کہ نوٹوں پر سرخ سیاہی مہر کے ذریعے لگادیتے ہیں۔ اگر کوئی قانون کے خلاف حرکت کرتے ہوئے جعلی نوٹ سازی میں گرفتار ہو جائے تو اسکو سزائے موت سنائی جاتی ہے۔ اتنی کثرت سے یہ نوٹ چھاپے جاتے ہیں کہ قبلائی خان ان کاغذوں کے ذریعے دنیا کا ہر سکہ خرید سکتا ہے۔ جو بھی شخص انکی مالی حیثیت سے یا کسی بھی اعتبار سے انکور دکرے تو اسکو اذیت ناک سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسے یہ مشہور سیاح چین کے حالات کے بارے میں اپنے کارناموں میں لکھتا ہے کہ اس کاغذی کرنسی کو جھٹلانے والے آدمی کو سزائے موت سنائی جاتی ہے۔ پوری سلطنتِ قبلائی خان میں ہر کاروبار کرنے والے شخص کو انہی نوٹوں کے ذریعے اپنے معاملات نمٹانے ہوتے ہیں کوئی بھی شخص انکی قانونی مالیاتی حیثیت سے انکار کی صورت میں سزائے موت کا سامنا کر سکتا ہے۔ عوامی سہولیات اور ہر شئے کی خرید وفروخت مثلاً موتی، قیمتی پتھر، سونا اور چاندی وغیرہ کے علاوہ دوسری اکثر سہولیات اسی نوٹ میں ہیں۔ اور وزن کے اعتبار سے بھی کافی فرق ہے۔ جس نوٹ کی قیمت دس بیزنت ہے، اس کا وزن ایک بیزنت کے سکے سے بھی کم ہے[7]۔

کاغذی کرنسی پر گذرنے والے مراحل

عبداللہ بن سلیمان بن منیع فرماتے ہیں:

تتمثل فی آن غالب التجار كانوا فی غالب أسفارهم التجارية لا يحملون معهم نقوداً للسلع التی يشترونها خشية من ضياعها أو سرقتها وإنما يلجأون إلى أخذ تحاويل بها على أحد تجار الجهة المتجهين إليها من شخصية ذات اعتبار وسمعة حسنة بلد التاجر المحال إلى مثله فی البلد المتجة إليه۔ لم تكن هذه التحاول فی الواقع نقوداً، إذ ليس فی استطاعة حاملها أن يدفعها أثماناً للمشتريات لانعدام القابلية العامة فيها وإنما هی بديل مؤقت عن النقود[8].

" اول وھلے میں ان کو کوئی بھی تاجر اپنے ساتھ کہیں بھی نہیں لے جا سکتے تھے ہر کوئی چوری یا ضائع ہونے کے خوف سے صراف اور سناروں یا

ذی اثر شخصیات کے ہاں بطورِامانت کے رکھوا کر جسکے عوض انکو ایک رسید دیدی جاتی تھی اور بعد میں یہی رسید کرنسی کی صورت اختیار کر گئی اور جب لوگوں کا اعتماد ان سناروں پر بڑھ گیا تو ان کے عطا کردہ رسیدوں کو لوگ بطورِ ثمن کے استعمال کرنے لگے اور ہر خریدار اشیاء کی خریداری کے وقت بجائے نقد قیمت کی ادئیگی سناروں کی طرف سے اداشدہ رقعہ کو ان پر اعتماد کی وجہ سے بائع کو دیتے تو وہ بھی قبول کرتے تھے۔"

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں، یہ کاغذی نوٹ کا ابتدائی زمانہ تھا اور اسکے ساتھ ساتھ نہ انکی کوئی مخصوص صورت تھی اور نہ ہی قانونی طور پر اسکی کوئی قیمت تھی کہ جسکی بناء پر نہ قبول کرنے والے کو مجبور کیا جاسکے۔ کاروباری شخص کے قبولیت اور رد کرنے کا مدار صرف اجراء کرنے والے شخص پر اعتماد کی بناء تھی۔ جب ۱۷۰۰ عیسویں کی ابتداء میں مارکیٹوں اور عام بازاروں میں ان رسیدوں کا رواج کثیر تعداد میں ہوا تو اسکے بعد یہ رسیدیں ترقی کے راہوں سے گذرتے ہوئے ایک مخصوص ڈھانچے میں ڈھل کر خاص ہیئت حاصل کرلی جسے خاص الفاظ میں بینک نوٹ کہا جاتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے سویڈن کے اسٹاک ہوم بینک نے اسے بطور کاغذی نوٹ کے جاری کیا۔ اس وقت جاری کرنے والے بینک کے پاس ان کاغذی نوٹوں کے بدلے میں سو فیصد اتنی مالیت کا سونا موجود ہوتا تھا۔ اور بینک یہ التزام کرتا تھا کہ وہ صرف اتنی مقدار میں نوٹ جاری کرے جتنی مقدار ہیں اس کے پاس سونا موجود ہے اور اس کاغذی نوٹ کے حامل کو اختیار تھا کہ وہ جس وقت چاہے بینک جا کر اس کے بدلے سونے کی سلاخ حاصل کرلے، اسی وجہ سے اس نظام کو سونے کی سلاخوں کا معیار (Gold bullion standard) کہا جاتا ہے۔ ۱۸۳۳ء میں جب 'بینک نوٹ' کا رواج بہت زیادہ ہوگیا تو حکومت نے اس کو "زر قانونی" (Legal tender) قرار دے دیا۔ اور ہر قرض لینے والے پر یہ لازم کر دیا کہ وہ اپنے قرض کے بدلے ہیں اس نوٹ کو بھی اسی طرح ضرور قبول کرے گا جس طرح اس کے لئے سونا چاندی کے سکے قبول کرنا لازم ہیں اس کے بعد پھر تجارتی بینکوں کو اس کے جاری کرنے سے روک دیا گیا اور صرف حکومت کے ماتحت چلنے والے مرکزی بینک کو اس کے جاری کرنے کی اجازت دی گئی۔ پھر حکومتوں کو زمانہ جنگ اور امن کے دوران آمدنی کی کمی کی وجہ سے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں بہت سی مشکلات پیش آنے لگیں۔ چنانچہ حکومت مجبور ہوئی کہ وہ کاغذی نوٹوں کی بہت بڑی مقدار جاری کردے جو سونے کی موجود مقدار کے تناسب سے زیادہ ہو، تاکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اسے استعمال کرے۔ اس کے نتیجے میں سونے کی وہ مقدار جو ان جاری شدہ نوٹوں کی پشت پر تھی وہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگے حتیٰ کہ ابتداء میں ان نوٹوں اور سونے کے درمیان جو سو فید تناسب تھا وہ گھٹتے گھٹتے معمولی سارہ گیا۔ اس لئے کہ ان نوٹوں کو جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات کا یقین تھا کہ ان تمام جاری شدہ نوٹوں کو ایک ہی وقت میں سونے سے تبدیل کرنے کا مطالبہ ہم سے نہیں کیا جائے گا، اس لئے سونے کی مقدار سے زیادہ نوٹ جاری کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ مقدار میں نوٹ جاری کرنے کے نتیجے میں بازار میں ایسے نوٹ رائج ہو گئے جن کو سونے کی پشت پناہی حاصل نہیں تھی، لیکن تاجر ایسے نوٹوں کو اس بھروسہ پر قبول کرتے تھے کہ ان نوٹوں کے جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ وہ تبدیلی کے مطالبے کے وقت اس کے پاس موجود سونے کے ذریعے ان کا مطالبہ پورا کردے گا۔ ایسے کرنسی کو زر اعتباری (Fiduciary money) کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف آمدنی کی مذکورہ بالا

کمی اور زیادہ روپے کی ضرورت ہی کی بناء پر حکومتیں جواب تک معدنی سکوں کے ساتھ معاملات کرتی آئی تھیں، اس بات پر مجبور ہوئیں کہ وہ یا تو سکوں میں دھات کی جتنی مقدار استعمال ہو رہی ہے، اس کو کم کر دیں یا ہر سکے میں اصلی دھات کی بجائے ناقص دھات استعمال کریں۔ چنانچہ اس عمل کے نتیجے میں سکے کی ظاہری قیمت (Face value) جو اس پر درج تھی، اس سکے کی اصلی قیمت (Intrinsic value) سے کئی گنا زیادہ ہو گئی۔ ایسے سکوں کو "علامتی زر" (Token money) کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس سکے کی معدنی اصلیت اس کے اس ظاہری قیمت کی محض علامت ہوتی ہے جو کبھی اس کی ذات قیمت کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی کیا کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ "زر اعتباری" (یعنی جس نوٹ کی پشت پر سونا نہیں تھا) کا رواج بڑھتے بڑھتے اتنا زیادہ ہو گیا کہ ملک میں پھیلے ہوئے نوٹوں کی تعداد ملک میں موجود سونے کی مقدار کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ حکومت کو اس بات کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ سونے کی موجودہ مقدار کے ذریعے ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ شہروں میں حقیقتہً یہ واقعہ پیش آیا کہ مرکزی بینک نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہ کر سکا۔ اس وقت بہت سے ملکوں نے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے والوں پر بہت کڑی شرطیں لگا دیں۔ انگلینڈ نے ۱۹۱٤ء کی جنگ کے بعد اس تبدیلی کو بالکل بند کر دیا۔ البتہ ۱۹۲۵ء میں دوبارہ تبدیلی کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ایک ہزار سات سو پونڈ سے کم کی مقدار کوئی شخص تبدیل کرانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس شرط کے نتیجے میں عام لوگ تو اپنے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کا مطالبہ کرنے سے محروم ہو گئے، اس لئے کہ اس زمانے میں یہ مقدار اتنی زیادہ تھی کہ بہت کم لوگ اتنی مقدار کے مالک ہوتے تھے، لیکن اس قانون کی انہوں نے اس لئے کوئی پرواہ نہیں کی کیونکہ یہ کاغذی نوٹ زر قانونی بن گئے تھے اور ملکی معاملات میں بالکل اسی طرح قبول کئے جاتے تھے جس طرح اصلی کرنسی قبول کی جاتی تھی، اور اسی کے ذریعے اندرون ملک تجارت کر کے اسی طرح نفع حاصل کیا جاتا تھا جس طرح نفع حاصل کیا جاتا تھا جس طرح دھاتی کرنسی کے ذریعے تجارت کر کے نفع حاصل کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ اس شخص کے لئے بھی جو سترہ سو پونڈ (۱۷۰۰) کو سونے میں تبدیل کرانے کا مطالبہ کرے اور لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ سونے کے بجائے صرف ان نوٹوں پر اکتفا کریں اور اپنے تمام کاروبار اور معاملات میں اسی کا لین دین کریں لیکن حکومتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے حق کے احترام کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کے قانون کو برقرار رکا۔ چنانچہ اندرون ملک اگرچہ ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کی ممانعت تھی لیکن ہر حکومت نے یہ التزام کیا تھا کہ اگر اس کی کرنسی دوسرے ملک میں چلی جائے گی اور دوسری حکومت اس کرنسی کے بدلے میں سونے کا مطالبہ کرے گی تو یہ حکومت اپنے کرنسی نوٹوں کے بدلے میں اس کو سونا فراہم کرے گی، مثلاً امریکا کے پاس برطانیہ کے اسٹرلنگ پونڈ آئے اور وہ اب ان کے بدلے میں برطانیہ سے سونے کا مطالبہ کرے تو برطانیہ پر لازم ہے کہ وہ ان کے بدلے امریکا کو سونا فراہم کرے، اس نظام کو "سونے کی مبادلت کا معیار" (Gold exchange standard) کہا جاتا ہے۔ اسی اصول پر سالہا سال تک عمل ہوتا رہا، حتیٰ کہ جب ریاستہائے متحدہ امریکا کو ڈالر کی قیمت کی کمی کے باعث سخت بحران کا سامنا کرنا پڑا اور ۱۹۷۱ء میں سونے کی بہت قلت ہو گئی تو امریکی حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ دوسری حکومتوں کے لئے بھی ڈالر کو سونے میں تبدیل

کرنے کا قانون ختم کردے۔ چنانچہ ۱۵ اگست ۱۹۷۱ء کو اس نے یہ قانون نافذ کر دیا، اور اس طرح کاغذی نوٹ کو سونے سے مستحکم رکھنے کی جو آخری شکل تھی وہ بھی اس قانون کے بعد ختم ہو گئی۔ اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں (IMF) نے سونے کے بدل کے طور پر ایک "زر مبادلہ نکلوانے کے حق (Special drawing right) کا نظریہ پیش کیا۔ اس نظریہ کا حاصل یہ تھا کہ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے ممبران کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ مختلف ممالک کی کرنسی کی ایک معین مقدار غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے لئے نکلوا سکتے ہیں اور مقدار کی تعیین کے لئے ۸،۸۸،۶۷۶ گرام سونے کو معیار مقرر کیا گیا۔ (کہ اتنی مقدار کا سونا جتنی کرنسی کے ذریعے خریدا جا سکتا ہو، اتنی کرنسی ایک ملک نکلوا سکتا ہے، لہٰذا اب صورتحال یہ ہے کہ زر مبادلہ نکلوانے کا یہ حق جسے اختصار کے لئے ایس۔ ڈی۔ آر کہا جاتا ہے سونے کی پشت پناہی کا مکمل بدل بن چکا ہے۔ اس طرح اب سونا کرنسی کے دائرے سے بالکل خارج ہو چکا ہے اب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ اور نوٹوں اور "زر علامتی" (یعنی کم قیمت کے سکوں) نے پوری طرح سونے کی جگہ لے لی ہے۔ اب نوٹ نہ سونے کی نمائندگی کرتے ہیں، نہ چاندی کی، بلکہ ایک فرضی قوت خرید کی نمائندگی کر رہے ہیں، لیکن چونکہ اس نظام میں ایک مستقل اور ابدی نظام کی طرح اب تک مضبوطی اور جماؤ پیدا نہیں ہوا، اس لئے کہ تقریباً تمام ممالک میں اس بات کی تحریک چل رہی ہے کہ پہلے کی طرح پھر سونے کو مالی نظام کی بنیاد مقرر کیا جائے، یہاں تک کہ دوبارہ سونے کی سلاخوں کے نظام کی طرف لوٹنے کی آوازیں لگنے لگی ہیں۔ اس لئے دنیا کے تمام ممالک اب بھی اپنے آپ کو سونے سے بے نیاز اور مستغنی نہیں سمجھتے، بلکہ ہر ملک اب بھی احتیاطی تدبیر کے طور پر زیادہ سے زیادہ سونے کے ذخائر جمع رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور انقلابات میں یہ سونا کام آئے۔ لیکن سونے کی بڑی سے بڑی مقدار کا یہ ذخیرہ صرف ایک احتیاطی تدبیر کے طور پر ہے۔ اس کا موجودہ دور میں رائج کرنسی کے ساتھ کوئی قانونی تعلق نہیں ہے۔ خواہ وہ کرنسی نوٹ کی شکل میں ہو یا دھاتی سکوں کی شکل میں[۹]۔

نتائج

مندرجہ بالا فقہاء کی آراء سے یہی بات معلوم ہوئی کہ کرنسی کی نگہداشت اور اسکے اتار چڑھاؤ پر کنٹرول رکھنا اور اسکو چھاپنے کی ذمہ داری حکومتِ وقت کی ہے اور ہر عام و خاص کو اسکی اجازت دینا خود ایک بے اصول بات ہے جس سے معاشرے میں بہت ساری خرابیاں پیدا ہونگی ان ساری خرابیوں سے بچنے کیلئے حکومت کی نگرانی و عمل دخل انتہائی لازمی و ضروری ہے اور اس سے عام مراکزِ تجارت میں بھی طلب و رسد کی بے توازنیوں سے چھٹکارا مل جائیگا۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ السلمی، عمر بن محمد، دار المعرفۃ بیروت لبنان ۱۹۹۰، نصاب الاحتساب ۲۳۱

2۔ الترکمانی، الدکتور عدنان، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، السیاسۃ النقدیۃ والمصرفیۃ ۶۷

3۔ الفراء، ابو یعلی محمد بن حسین، مطبع مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۹۶۶، الاحکام السلطانیۃ ۱۸۱

4۔الزحیلی،وہبۃ،دارالفکر بیروت،المعاملات المالیۃ المعاصرۃ ۱۵۱

5۔عبداللہ بن سلیمان بن منیع، مطبع الفرزدق التجاریۃ ریاض سعودی عرب ۱۹۸٤،الورق النقدی تاریخہ حقیقتہ قیمتی حکمہ ۲٦

6۔ابن بطوطہ،دار صادر بیروت لبنان ۱۹۸٤، تحفۃ النظائر فی غرائب الامصار وعجائب الانظار ٦۲۹

7۔ عثمانی، مفتی محمد تقی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، قضایہ فقہیہ معاصرہ،۱٤۸/۱

8۔عبداللہ بن سلیمان بن منیع، مطبع الفرزدق التجاریۃ ریاض سعودی عرب ۱۹۸٤،الورق النقدی تاریخہ حقیقتہ قیمتی حکمہ ۲٦

9۔مارکوپولو، مترجم: عاصم بٹ،ادارہ تخلیقات لاہور ۲۰۰۵، سفر نامہ مارکوپولو ۱۲۸، ۱۲۹

10۔عبداللہ بن سلیمان بن منیع، مطبع الفرزدقق التجاریۃ ریاض سعودی عرب ۱۹۸٤ء،الورق النقدی تاریخہ حقیقتہ قیمتی حکمہ ص ۲۷

11۔ عثمانی، محمد تقی، میمن اسلامک پبلشرز کراچی، فقہی مقالات ۱/۱۸،۱۹،۲۰،۲۱،۲۲